۲۷

بہادر بنو کہ مومن بُزدل نہیں ہوتا اور رحیم بنو کہ مومن ظالم نہیں ہوتا

(فرمودہ ۲۴؍ جولائی ۱۹۳۶ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ منہ کی باتوں سے دنیا میں ہرگز کامیابی نہیں ہوسکتی ۔ ہم میں سب کے سب ہی منہ سے اخلاص کا دعویٰ کرنے والے ہیں مگر عمل سے اخلاص کا ثبوت دینے والے اس کثرت سے موجود نہیں ہیں حالانکہ ہماری مشکلات پہلے سے بہت زیادہ ہوچکی ہیں اور اگر پہلے صرف مختلف مذاہب بلکہ یوں کہو کہ مختلف مذاہب کے افراد مخالف تھے تو اب حکومت میں بھی ایک ایسا طبقہ ہے جس کا مقصود جماعت احمدیہ کی مخالفت ہے۔ لوگ گھبراتے ہیں ان باتوں پر اور بعض گھبرا کر مجھے لکھتے ہیں اور بعض زبانی بھی کہتے ہیں کہ کیا بات ہوگئی ، خدا کیوں اس کا علاج نہیں کرتا۔ لیکن جہاں میں دعا اور تدبیر میں دوسروں سے بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتا ہوں وہاں ان مشکلات کے پیدا ہونے کے متعلق مجھے ہرگز کوئی گھبراہٹ نہیں۔ لوگوں کو اس امر پر حیرت ہے کہ خدا تعالیٰ یہ باتیں کیوں ہونے دیتا ہے اور مجھے اس امر پر حیرت ہے کہ ان کو اِس وقت تک خدا نے کیوں روکے رکھا ۔ اگر کوئی شخص بالکل نابینا نہیں ، بالکل فاتر العقل نہیں ، بالکل کند ذہن نہیں ، بالکل ہی جاہل نہیں تو وہ پہلے انبیاء کے حالات کو دیکھ کر معلوم

کر سکتا ہے کہ ان کا دسواں حصہ بھی ہم پر نہیں گزرا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کو فرماتا ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ تم ان حالات سے نہ گزرو جن سے پہلے انبیاء کی جماعتیں گزری ہیں [۱]۔ آج بھی وہی خدا ہے، وہی دین ہے، صداقت کو ثابت کرنے اور اس کے قائم ہونے کیلئے آج بھی وہی شرائط ہیں جو پہلے تھیں، وہی ذمہ داریاں ہمارے سپرد کی گئی ہیں، اسی طرح ہم میں ایک مأمور مبعوث کیا گیا ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ جو حالتیں پہلوں پر گزریں وہ ہم پر نہ گزریں، جو تکالیف پہلوں پر آئیں وہ ہم پر نہ آئیں۔ ہم میں اور ان میں سوائے اس کے کیا فرق ہے کہ پہلی جماعتیں تکالیف اُٹھانے کی عادی تھیں اس لئے خدا تعالیٰ نے ان پر تکالیف جلد بھیج دیں لیکن ہم لوگ آرام طلبی کی وجہ سے اور ایسے ملک میں رہنے کی وجہ سے جہاں کی حکومت منظّم ہے اور جہاں چوری، ڈاکہ اور قتل وغیرہ کی وارداتیں بہت کم ہوتی ہیں مصائب کے عادی نہ رہے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ آہستہ آہستہ ہم پر بوجھ ڈالے اور یکدم مصائب کا دروازہ ہم پر نہ کھولے۔ پس ان مصائب کے دیر سے آنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت مخفی ہے نہ کہ اس کی غفلت۔ ان کا آنا قابلِ تعجب نہیں بلکہ دیر سے آنا قابلِ تعجب ہے۔

پس جو احمدی خیال کرتا ہے کہ یہ مصیبتیں ناقابلِ برداشت ہیں ان ابتلاؤں میں کوئی ایسی بات ہے جن کو اس کا ایمان سمجھنے سے قاصر ہے وہ یاد رکھے کہ اُسے ایمان کی چاشنی عطا نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ کے انبیاء کی سنّت اسے معلوم نہیں۔ تم سے بہتر لوگوں کے ساتھ یہی باتیں گزریں اور انہوں نے ان کو اَور نظر سے دیکھا۔ حضرت عمرؓ اللہ تعالیٰ کے کتنے مقرب تھے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمرؓ ہوتا [۲]۔ یہاں میرے بعد سے مراد معاً بعد ہے۔ تو وہ شخص جسے رسول کریم ﷺ بھی اس قابل سمجھتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے کسی کو شہادت کے مرتبہ سے اٹھا کر نبوت کے بلند مرتبہ پر فائز کرنا ہوتا تو اس کا مستحق عمرؓ تھا۔ وہ عمرؓ جس کی قربانیوں کو دیکھ کر یورپ کے اشد ترین مخالف بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس قِسم کی قربانی کرنے اور اس طرح اپنے آپ کو مٹا دینے والا انسان بہت کم ملتا ہے اور جس کی خدمات کے متعلق وہ یہاں تک غلوّ کرتے ہیں کہ اسلام کی ترقی کو ان سے ہی وابستہ کرتے ہیں۔ وہ عمرؓ دعا کیا کرتے تھے کہ الٰہی! میری موت مدینہ میں ہو اور شہادت سے ہو۔ انہوں نے یہ دعا محبت

کے جوش میں کی ورنہ یہ دعا تھی بہت خطرناک۔ اس کے معنے یہ بنتے تھے کہ کوئی اتنا زبردست غنیم ہو کہ جو تمام اسلامی ممالک کو فتح کرتا ہوا مدینہ پہنچ جائے اور پھر وہاں آ کر آپ کو شہید کرے لیکن اللہ تعالیٰ جو دلوں کا حال جانتا ہے اس نے حضرت عمرؓ کی اس خواہش کو بھی پورا کر دیا اور مدینہ کو بھی ان آفات سے بچالیا جو بظاہر اس دعا کے پیچھے مخفی تھیں اور وہ اس طرح کہ اس نے مدینہ میں ہی ایک کافر کے ہاتھ سے آپ کو شہید کروا دیا۔ بہرحال حضرت عمرؓ کی دعا سے یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کے قُرب کی یہی نشانی تھی کہ اپنی جان کو اس کی راہ میں قربان کرنے کا موقع مل سکے لیکن آج قُرب کی یہ نشانی سمجھی جاتی ہے کہ خدا بندہ کی جان بچالے۔

حضرت خالدؓ کی ہستی ایسی نہیں کہ کوئی مسلمان آپ کے نام سے ناواقف ہو۔ آپ کا نام کفار میں بھی اسی طرح مشہور ہے جس طرح مسلمانوں میں۔ آپ کا نام مسلمان اگر عزت سے لیتے ہیں تو غیر مسلم دہشت سے۔ وہ شخص موت اور مصائب کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا تھا۔ اس کی بہادری کا معیار اتنا بلند تھا کہ بعض واقعات پڑھتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی تاریخی واقعہ نہیں بلکہ الف لیلہ کا کوئی قصہ ہے۔ کفار کا لشکر لاکھوں کی تعداد میں آتا ہے، اسلامی لشکر کے بعض افسر مشورہ دیتے ہیں کہ ہمیں پیچھے ہٹ جانا چاہئے، بعض کہتے ہیں کہ لڑنا چاہئے لیکن جب خالدؓ سے مشورہ لیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ سارے اسلامی لشکر کو لڑانے کا کیا فائدہ مجھے دوسَو آدمی دے دیا جائے میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ اسے شکست دے دوں گا اور آپ نے عملاً ساٹھ ہزار کفار کا مقابلہ صرف ساٹھ مسلمان سپاہیوں سے کیا ہے اور نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ انہیں شکست دی اور ان کے کمانڈر کو قتل کر دیا۔ اب دیکھو یہ شخص اپنی قربانیوں کا کیا اندازہ لگاتا ہے۔ وہ تمہاری طرح یہ نہیں کہتا کہ فلاں موقع پر میں نے آٹھ آنہ چندہ دیا تھا اور فلاں موقع پر پچاس یا سَو یا ہزار دیا تھا بلکہ اس کے برخلاف لکھا ہے کہ جب آپ مرض الموت میں مبتلاء تھے تو ان کے ایک دوست ان کے پاس عیادت کیلئے گئے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت خالد مجھے دیکھ کر رو پڑے۔ میں نے کہا کہ خالد تم کیوں روتے ہو؟ موت تو آخر سب کو آنی ہے تم کو اسلام کی جو خدمات کرنے کا موقع ملا ہے ان کی وجہ سے تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ اپنے ربّ کے پاس جانے والے ہو اور اس کے انعامات سے حصہ پانے والے ہو۔ ان کے دوست کا بیان ہے کہ میری یہ بات سن کر آپ اور بھی بیتاب ہو کر رونے لگے اور کہا میرے

دوست! میرے جسم پر سے کپڑا اُٹھانا اور جب میں نے اُٹھایا تو دیکھا کہ سر سے لے کر کمر بند تک کوئی ایک انچ ایسی جگہ نہ تھی جہاں زخم کا نشان نہ ہو اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میری لاتوں پر سے کپڑا اُٹھانا اور جب میں نے اُٹھایا تو جسم کے اس حصہ کا بھی یہی حال تھا۔ اپنے یہ زخم دکھا کر حضرت خالد اور زیادہ بیتاب ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں نے ہر موقع پر خدا کی راہ میں اپنے آپ کو قربان کرنے کیلئے ڈال دیا مگر نا معلوم میری کیا بد قسمتی تھی کہ میدانِ جنگ میں مارا نہ گیا اور آج بستر پر پڑا جان دے رہا ہوں۔ یہ لوگ خدا کے سپاہی تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے متعلق لوگوں کا حق ہے کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رَضُوْا عَنْہُ [۳]۔

کیا یہ عجیب زمانہ نہیں کہ آج آرام کی زندگی بسر کرنے کو خدا تعالیٰ کی نعمت قرار دیا جاتا ہے اور کجا وہ زمانہ تھا کہ خالد سر سے لے کر پاؤں تک زخمی تھے مگر پھر بھی تسلی نہیں اور ڈرتے ہیں کہ میں چونکہ خدا کی راہ میں مارا نہیں گیا نہ معلوم میری باقی قربانیاں بھی قبول ہوئیں یا نہیں۔ پس خوب یاد رکھو کہ جب تک پہلوں جیسی حالتیں ہم پر نہ آئیں یہ خیال کرنا کہ ہم خدا کی مقدّس جماعت ہیں بالکل غلط ہے جو کچھ پہلوں کے ساتھ ہؤا ہم سے ہونا ضروری ہے۔ ابتلاء مؤمن کی ذلّت کا نہیں بلکہ عزت کا موجب ہؤا کرتے ہیں۔

حضرت سیّد عبد اللطیف صاحب ؓ شہید ہم میں سے ایک فرد تھے اور اس زمانہ کے آدمی تھے مگر آپ نے صحابہ کا نمونہ دکھایا۔ آپ کو رؤیا میں بتایا گیا تھا کہ آپ پکڑے جائیں گے اور کہ آپ کیلئے بڑا ابتلاء مقدر ہے۔ آپ نے شاگردوں کو اس سے آگاہ کر دیا تھا اس لئے جب آپ کی گرفتاری کے احکام دربار سے جاری ہوئے تو آپ کو قبل از وقت اپنے درباری دوستوں کے ذریعہ اس کی اطلاع ہو گئی۔ شاگردوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ بہتر ہے جلدی سے انگریزی علاقہ میں چلے جائیں۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ آگے نکال کر کہا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس کی راہ میں مجھے سونے کے کنگن یعنی ہتھکڑیاں پہنائی جائیں گی۔ اور میں سمجھتا ہوں ان لوگوں تک پیغامِ صداقت پہنچانے کا یہ ایک بہترین ذریعہ ہوگا جن تک کسی دوسرے طریق سے یہ پیغام نہیں پہنچایا جا سکتا۔ تو باوجود قبل از وقت اطلاع مل جانے کے اور باوجود اس کے کہ آپ بھاگ سکتے تھے آپ نہیں بھاگے اور اسے ذلّت نہیں سمجھا بلکہ عزت سمجھا اور ہتھکڑی کا نام زیور رکھا اور

جب خود بادشاہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ اپنے عقائد چھوڑ دیں یا کم ازکم اُن کو چھپالیں تا لوگوں کا جوش کم ہو تو آپ نے جواب دیا کہ میں کس چیز کو چھپاؤں۔ صداقت کو؟ اگر میں کوئی بُری بات پیش کررہا ہوتا تو بادشاہ تو کُجا کسی معمولی آدمی کے کہنے سے بھی چھوڑ دیتا مگر کیا صداقت کو بھی چھپایا جاسکتا ہے؟ آپ نے ان تکالیف کو مصیبت نہیں سمجھا اور یہ خیال نہیں کیا کہ میری قربانی کے عوض اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بیوفائی کی ہے انہوں نے اپنی قوم کے متعلق بھی اس فعل کو بیوفائی نہیں سمجھا۔

ایک شخص کا جو اس موقع پر موجود تھا بیان ہے کہ جب آپ پر پتھر پڑ رہے تھے، جسم چور ہورہا تھا، ہڈیاں ٹوٹ رہی تھیں، اُس وقت آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ اے میرے ربّ! ان کو ہدایت دے کہ یہ نادانی سے ایسا کرتے ہیں۔ مؤمن ہر چیز میں رسول کریم ﷺ کا اُسوہ پیش نظر رکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پیش نظر اُس وقت طائف کا واقعہ تھا جو یوں ہے کہ مکہ والوں نے جب آنحضرت ﷺ کی تبلیغ کو سننے سے انکار کر دیا تو آپ کو خیال آیا کہ طائف کے لوگوں کو تبلیغ کروں۔ مکہ کے بدباطن مخالفوں کو جب علم ہؤا تو انہوں نے طائف والوں کے پاس آدمی بھیجا کہ اس شخص کیلئے ہم نے مکہ میں تو کوئی جگہ چھوڑی نہیں ہمیں امید ہے کہ تم لوگ اپنے مذہب کیلئے ہم سے کم غیرتمند ثابت نہ ہوگے۔ طائف والوں نے جواب دیا کہ تم اسے یہاں آنے دو تم سے زیادہ بدسلوکی ہم کریں گے۔ رسول کریم ﷺ جب طائف پہنچے تو ان لوگوں نے دھوکا سے آپ کو ایک جگہ بلایا کہ آپ کی باتیں سنیں گے اور ادھر شہر کے لڑکوں کو جمع کرلیا جن کی جھولیوں میں پتھر بھرے ہوئے تھے اور ساتھ کُتّے تھے۔ جب آپؐ نے وہاں پہنچ کر بات شروع کی تو لڑکوں نے پتھر مارنے شروع کر دیئے اور کُتّے بھی چھوڑ دیئے گئے۔ پتھر آپ پر گرتے اور جسمِ اطہر پر زخم لگتے جاتے تھے اور خون بہتا جاتا تھا۔ آپؐ واپس بھاگتے ہوئے کسی جگہ دم لینے کیلئے ٹھہرتے تو جسمِ اطہر سے خون پونچھتے جاتے اور ساتھ فرماتے اے میرے ربّ! یہ لوگ نہیں جانتے میں کون ہوں تو انہیں معاف کر۔[۲]

عربوں میں شرافت کا مادہ تھا اس لئے دشمن بھی بعض اوقات دل میں درد محسوس کرتا تھا۔ رستہ میں ایک عرب سردار کا باغ تھا جب اُس نے آپ کو اس حالت میں آتے دیکھا تو اس کے دل میں درد پیدا ہؤا اور اپنے عیسائی غلام سے کہا انگور توڑ کر لے جاؤ اور اس شخص کو بُلاؤ اور اسے بٹھا

کر کھلاؤ۔ چنانچہ غلام جا کر آپ کو بلا لایا بٹھایا اور انگور کھلائے اور پھر دریافت کیا کہ آپ ﷺ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے؟ آپ نے اسے ساری بات سنائی اور پھر کہا کہ میں جب طائف سے واپس آ رہا تھا تو مجھ پر جبریل نازل ہوئے اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تُو کہے تو طائف والوں کا تختہ اُسی طرح اُلٹ دوں جس طرح لوط کی بستی کا اُلٹا گیا تھا مگر میں نے اسے جواب دیا کہ اگر یہ لوگ تباہ ہو گئے تو مجھ پر ایمان کون لائے گا۔ آپ کی باتیں سن کر عیسائی غلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جب اس کے آقا نے یہ دیکھا تو اس کی مذہبی غیرت جوش میں آ گئی اور اپنے غلام کو واپس بلا لیا اور کہنے لگا کہ کیا تُو بھی اس کے پھندے میں آ گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہی واقعہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی نظر کے سامنے تھا اور آپ نے نہ چاہا کہ آپ کا قدم کسی ایسی جگہ پڑے جہاں آنحضرت ﷺ کا قدم نہ پڑا تھا۔ اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مؤمن کو ایک ہی وقت میں بہادر بھی اور رحیم بھی ہونا چاہئے۔ یہ دو جذبات بہت کم اکٹھے مل سکتے ہیں۔ مگر وہ بہادری حقیقی نہیں ہوتی جس میں ظلم ہو۔ وہ شجاعت شجاعت نہیں بلکہ تہوّر ہوتا ہے۔ حقیقی بہادری مؤمن میں ہی ملتی ہے کیونکہ اس کے ساتھ رحم کا جذبہ ضروری ہے۔ مؤمن بیک وقت بہادر بھی اور رحیم بھی ہوتا ہے۔ اگر وہ ایک طرف اپنی جان کو اخروٹ اور بادم کے چھلکے سے بھی حقیر سمجھتا ہے تو دوسری طرف اس کے اندر اتنا رحم ہوتا ہے کہ وہی لوگ جو اس پر ظلم کرتے ہیں ان سے وہ عفو کا معاملہ کرتا ہے۔

ایک واقعہ میں نے رسول کریم ﷺ پر کفار کے مظالم کا سنایا ہے جو ایک لمبی زنجیر کی کڑی ہے۔ متواتر تیرہ سال تک آپ پر یہ مظالم جاری رہے۔ کبھی آپ پر تلواروں سے حملہ کیا جاتا تو کبھی تیروں اور سونٹوں اور پتھروں سے، کبھی آپ کے اوپر نجاست پھینکی جاتی اور کبھی گلا گھونٹا جاتا۔ حتّٰی کہ آخری ایام میں جب آپ کو مکہ چھوڑنا پڑا مسلسل تین سال تک آپ کا اور آپ کے صحابہ کا ایسا شدید بائیکاٹ کیا گیا کہ کسی سے سَودا بھی مسلمان نہ خرید سکتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی روایت ہے کہ اتنی تنگی ہو گئی تھی کہ بعض دفعہ دنوں کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ پاخانے سوکھ گئے اور جب پاخانہ آتے تو بالکل مینگنیوں کی طرح ہوتا کیونکہ بعض اوقات درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتے تھے [۵] اور بعض اوقات کھجور کی گٹھلیاں۔ احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی چہیتی بیوی جس نے اسلام

کیلئے ہر چیز قربان کر دی تھی یعنی حضرت خدیجہؓ اُن کی وفات انہی مظالم کے باعث ہوئی۔ ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ جن بی بی کے بیسیوں غلام تھے اور جو لاکھوں روپے کی مالک اور جو مکہ کے مالدار اشخاص میں سے تھیں، جو بیسیوں گھرانوں کو کھانا کھلا کر خود کھاتی تھیں۔ بڑھاپے میں ان کو کئی کئی فاقے کرنے پڑتے اور اگر کچھ کھانے کو ملا بھی تو درختوں کے پتے وغیرہ۔ اُس وقت ان کی صحت پر کیا اثر پڑا ہوگا۔ چنانچہ اسی تکلیف کی وجہ سے وہ فوت ہوگئیں۔ آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب بھی انہی تکالیف کی وجہ سے فوت ہوگئے۔ ان حالات میں تو ایک عام انسان تو درکنار بہادر سے بہادر اور جری سے جری انسان کے ساتھ بھی اگر ایسی حالت ہوتی تو اس کے دل کا غصہ انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ اگر ایسی ہی وفادار بیوی انہی حالات میں کسی اور شخص کی ضائع ہوتی تو وہ ان وفاداریوں اور قربانیوں کو یاد کر کے اور ان بچوں پر نگاہ ڈال کر جنہیں بے نگران چھوڑ کر وہ دنیا سے رخصت ہوتی بہادر سے بہادر انسان بھی قسم کھاتا کہ اس صدمہ کے عوض قریش کی ہر عورت کو بھی قتل کرنا پڑا تو میں اس سے دریغ نہ کروں گا۔ رسول کریم ﷺ نے کیا کِیا؟ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک جنگ میں جب رسول کریم ﷺ نے قریش کی ایک عورت کی لاش دیکھی تو آپ اس قدر غصہ میں آئے کہ میں نے آپ کو اس قدر غصہ میں کبھی نہ دیکھا تھا اور آپ نے سخت غصہ کی حالت میں دریافت کیا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ اور پھر فرمایا کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، ضعیفوں، بیماروں اور مذہبی لیڈروں پر کبھی ہاتھ مت اٹھاؤ[۶]۔ کجا وہ سلوک اور کجا یہ۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بہادری کا مفہوم یہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے بتایا۔ مگر میں اپنی جماعت سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا ان میں بھی وہی جرأت اور وہی رحم ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ نے دکھایا؟ ہمارے دوستوں کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو دوست گھبرا جاتے ہیں کہ اب ہم قید ہو جائیں گے، پکڑے جائیں گے۔ کیا انہیں پتہ نہیں کہ جب انہوں نے احمدیت کو قبول کیا تھا تو اس وقت یہ سب چیزیں ان کے سامنے رکھ دی گئی تھیں۔ کیا انہیں کسی نے دھوکا سے احمدیت میں داخل کر لیا تھا؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب میں صاف لکھا ہے کہ جو لوگ تکالیف کو برداشت نہیں کر سکتے ان کا راستہ مجھ سے الگ ہے۔ میرا راستہ پھولوں کی سیج پر نہیں بلکہ کانٹوں پر ہے[۷]۔ کسی سے کوئی دھوکا نہیں کیا گیا۔ ہر شخص جو احمدیت میں داخل ہوتا ہے یہ سمجھ کر ہوتا ہے کہ

یہ سب تکالیف اسے برداشت کرنی پڑیں گی پھر شکایت کیسی! اگر تو ہم کسی سے کہتے کہ آؤ احمدی ہو جاؤ ہم تمہیں بڑے بڑے عہدے دلائیں گے، دولت دیں گے، بیماریوں اور تکلیفوں سے بچائیں گے، عمدہ عمدہ عورتوں سے شادیاں کر دیں گے، تمہارے بچوں کی تعلیم کا انتظام کر دیں گے تو شکایت ہو سکتی تھی مگر ہم تو شروع دن سے یہی کہتے کہ خدا نے ہمیں اس لئے چُن لیا ہے کہ دین کیلئے ہمیں قربانی کی بھیڑیں بنائے۔ اگر ابتلاؤں کی تلواروں سے گردن کٹوانی ہے، اگر اپنے اور اپنے عزیزوں کے خون سے ہولی کھیلنی ہے تو آؤ۔ تو پھر کوئی شکایت کا موقع نہیں۔ یہ بُزدل کا کام نہیں اور ڈرپوک ہمارے ساتھ نہیں چل سکتا۔

ہمیں خدا تعالیٰ نے اس لئے کھڑا کیا ہے کہ تا محمد ﷺ کی بادشاہت کو پھر قائم کریں اور ظاہر ہے کہ شیطان کے چیلے جنہیں اس سے پہلے انسانوں پر بادشاہت حاصل ہے وہ سیدھے ہاتھوں اپنی بادشاہتیں ہمارے حوالے نہیں کریں گے۔ وہ ہر تدبیر اختیار کریں گے جس سے ہمیں کچلا جا سکے اور ہر سامان مہیا کریں گے جس سے ہماری طاقت کو توڑا جا سکے۔ لیکن ہمیں خدا تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ جاؤ اور اُس وقت تک دم نہ لو جب تک محمد رسول اللہ ﷺ کا وہ جھنڈا دنیا کے تمام مذاہب کے قلعوں پر نہ گاڑ دو جو صدیوں سے ِگرا ہؤا ہے، جس کی عزت کو دشمنوں نے خاک میں ملانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اس مقصد کو ہم نے کبھی نہیں چھپایا گو یہ ہمیشہ کہا ہے کہ ہم اس مقصد کو امن کے ذریعہ اور دلوں کو فتح کر کے حاصل کریں گے۔ مگر یہ تو ہم نے کہا ہے کہ ہم ہر حال میں سچائی کو اختیار کریں گے۔ کیا ہمارے دشمنوں نے بھی یہ اقرار کیا ہؤا ہے؟ اگر نہیں تو پھر یہ شکوہ کیسا کہ حکومت کے بعض افسر کیوں آئین کو توڑتے ہیں؟ کیا انہوں نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی ہوئی ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سنایا کرتے تھے کہ ایک بادشاہ تھا اس نے خیال کیا کہ فوج پر اتنا روپیہ صرف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ قصائی جو روز چھری چلاتے ہیں ان سے ہی فوج کا کام لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سب فوج موقوف کر دی گئی۔ اِرد ِگرد کے بادشاہوں کو جب یہ اطلاع ملی تو ایک بادشاہ نے جو اپنی حکومت کو وسیع کرنا چاہتا تھا اور ہمت والا تھ حملہ کر دیا۔ بادشاہ نے قصائیوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ جا کر مقابلہ کرو۔ وہ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد شور مچاتے ہوئے آ گئے کہ ظلم

داد، فریاد، بے انصافی، بادشاہ نے دریافت کیا تو کہنے لگے کہ دشمن کا لشکر بہت بے انصافی کرتا ہے۔ ہم تو چار چار مل کر ایک آدی کو پکڑتے اور سر اور پاؤں کو پکڑ کر با قاعدہ بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کے چھری پھیرتے ہیں لیکن دشمن بے تحاشہ تلواریں مار مار کر ہمارے بیسیوں آدمی ہلاک کر دیتا ہے اس لئے اس کا ازالہ کیا جائے۔ اِسی طرح ہمارے بعض نادان بھی یہی شور کرتے ہیں کہ ہم سچ بولتے ہیں اور آئینی طریق اختیار کرتے ہیں مگر ہمارے دشمن غیر آئینی کارروائیاں کرتے اور جھوٹ بولتے ہیں ان کی بات ایسی ہی ہے جیسے قصائیوں نے کی تھی کیا ہمارا دشمن بھی سچائی کا پابند ہے؟ کیا وہ بھی میری ہدایتوں پر چلنے کیلئے تیار ہے؟ کیا اس کے اخلاق کا بھی وہی معیار ہے جو تمہارے سامنے پیش کیا جاتا ہے؟ کیا اس نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی ہوئی ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی یہ بھی ایک دلیل ہے کہ تم سچ بولتے ہو اور تمہارا دشمن جھوٹ، تم آئین کے مطابق چلتے ہو اور وہ غیر آئینی ذرائع اختیار کرتا ہے، تم رحم کرتے ہو اور وہ سختی، اگر تم میں اور اس میں یہ فرق نہ ہوتا تو تم کو احمدیت میں داخل ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

دوسری طرف رحم کا معاملہ ہے۔ بہت تم میں ہیں جو چاہتے ہیں کہ اگر دشمن قابو آئے تو اس سے پوری طرح بدلہ لیا جائے لیکن یاد رکھو یہ طریق مسلمان کا نہیں ہوتا۔ مؤمن سے جب معافی طلب کی جاتی ہے تو وہ معاف کر دیتا ہے سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی ممانعت آچکی ہو۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی خاص مصلحتوں کے ماتحت رحم سے روک دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وسیع علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ [8] منافق جنگ میں نہ جانے کی اجازت لینے آئے اور تُو نے اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کرے جو اس رحم سے پیدا ہوگی تُو نے کیوں اجازت دی؟ محمد رسول اللہ ﷺ سے خدا کا علم زیادہ تھا اس لئے یہ فرمایا۔ پس ایسے مواقع کے علاوہ جہاں خدا کا حکم ہم کو روکے شدید سے شدید دشمن بھی اگر ہتھیار ڈال دے تو ہمارا غصہ دور ہو جانا چاہئے۔ ہاں مؤمن بیوقوف نہیں ہوتا اور وہ کسی کے دھوکا میں نہیں آتا۔ رسول کریم ﷺ تو یہاں تک احتیاط فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص نے میدانِ جنگ میں جب ایک مسلمان اسے مارنے لگا تھا کہہ دیا کہ میں صابی ہوتا ہوں۔ کفار مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے جس طرح آج

ہمیں مرزائی کہتے ہیں حالانکہ یہ سخت بداخلاقی ہے۔ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی اپنے اوپر لے لی مگر پھر بھی ہم انہیں مسلمان ہی کہتے ہیں۔عیسائیوں کو عیسائی اور یہودیوں کو یہودی کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ تم کہاں کے ہدایت یافتہ ہو۔مگر جو لوگ دین سے بے بہرہ ہوں ان کے اخلاق گر جاتے ہیں اور وہ دوسرے کا نام بھی ٹھیک طرح نہیں لینا چاہتے۔تو اس وقت کے کفار مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے اور ایک شخص نے لڑائی کے دوران میں کہا کہ میں صابی ہوتا ہوں مگر چونکہ یہ نام غلط تھا اور لڑائی ہو رہی تھی مسلمان نے اسے مار ڈالا۔رسول کریم ﷺ کو جب علم ہوا تو آپ نے فرمایا۔تم نے ظلم کیا۔اسے مارنے کا تمہیں کیا حق تھا۔اُس صحابی نے عرض کیا کہ اس نے صابی کا لفظ بولا تھا۔آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ صابی ہی کہتے ہیں۔اسی طرح ایک اور شخص نے لڑائی میں کلمہ پڑھا اور ایک صحابی نے اُسے مار دیا۔اس پر بھی رسول کریم ﷺ سخت ناراض ہوئے۔تو ایک طرف رحم اور دوسری طرف بہادری جب تک انتہاء کو نہ پہنچی ہوئی ہو کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا۔

رسول کریم ﷺ نے جب مکہ فتح کیا تو وہ دشمن مجرموں کی حیثیت سے آپ کے سامنے پیش کئے گئے۔ وہ لوگ جن کے مظالم کی وجہ سے آپ کو راتوں رات مکہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا تھا آپ کے سامنے پیش ہوئے۔ جو اِن کے ظلم سے اپنے عزیز وطن کو اپنے پیارے خدا کے گھر کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اور ان لوگوں کی موجودگی میں پیش ہوئے جن میں سے بعض کی بیویوں کی شرمگاہوں میں نیزے مار مار کر انہوں نے ہلاک کر ڈالا تھا، جن کے باپوں اور بھائیوں اور دوستوں کو ایک اونٹ کے ساتھ ایک ٹانگ اور دوسرے سے دوسری ٹانگ باندھ کر اور انہیں مختلف جہتوں میں چلا کر چیر پھاڑ کر ہلاک کر دیا تھا، ان غلاموں کے سامنے جنہیں جیٹھ اور ہاڑ کی گرمیوں میں گرم پتھروں پر لٹا لٹا کر جلایا جاتا تھا اور پھر کوڑے لگائے جاتے تھے اور کہا جاتا تھا کہ اپنے دین سے توبہ کرو پھر چھوڑیں گے، مکہ کے وہ ظالم سردار جنہوں نے تیرہ سال تک صحابہ کے وطن کو ان کیلئے جہنم بنا رکھا مجرموں کی حیثیت سے حاضر تھے صحابہ کہتے ہیں کہ تلواریں میانوں سے اُچھل اُچھل پڑتی تھیں کہ ان ظالموں سے اپنے بزرگوں کے خون کا بدلہ آج لیں گے۔ مہاجر تو مہاجر انصار کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا حتّٰی کہ ایک انصاری سردار کے منہ سے بے اختیار نکل

ہی گیا کہ مکہ کے ظالم لوگو! آج تمہارے درو دیوار کی اینٹ سے اینٹ ہم بجا دیں گے۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے بجائے اُن کو سزا دینے کے خود اُن ہی سے دریافت کیا کہ اے مکہ کے رہنے والو! بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ انہوں نے آگے سے جواب دیا کہ وہی جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ آپ نے فرمایا جاؤ میں نے تم کو معاف کیا۔ تم مجھے یوسف سے کم رحم کرنے والا نہیں پاؤ گے اور سب کو معاف کر دیا۔ یوسف کے بھائیوں نے انہیں صرف جلاوطن کیا تھا مگر رسول کریم ﷺ پر کفار کے مظالم کے مقابلہ میں جلاوطن کرنا کچھ چیز نہیں۔ یہاں جلاوطنی تو ہزاروں ظلموں میں سے ایک ظلم تھی۔ پھر یوسفؑ کے سامنے اُس کے باپ جائے بھائی کھڑے تھے جن کی سفارش کرنے والے اُن کے ماں باپ موجود تھے مگر یہ لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کے عزیزوں اور بھائیوں کے قاتل تھے۔ حضرت حمزہؓ کو قتل کرنے والے کون لوگ تھے؟ رسول کریم ﷺ کی چہیتی بیٹی کو مارنے والے کون تھے جبکہ وہ حاملہ تھیں؟ اور خاوند نے اس خیال سے کہ والد کی عداوت کی وجہ سے لوگ انہیں مکہ میں تنگ کرتے تھے مدینہ روانہ کر دیا تھا مگر کفار نے راستہ میں انہیں سواری سے گرا دیا جس سے اسقاط ہو گیا اور اسی کی وجہ سے بعد میں آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت یوسفؑ کے سامنے کون سے جذبات تھے سوائے اس کے کہ ان کے بھائیوں نے اُن کو وطن سے نکال دیا تھا مگر یہاں تو یہ حالت تھی کہ ابوطالب کی روح آنحضرت ﷺ سے کہہ رہی تھی کہ میرے (جس نے تیری خاطر تیرہ سال تک اپنی قوم سے مقابلہ کیا) یہ لوگ قاتل ہیں۔ عالَمِ خیال میں حضرت خدیجہؓ آپ کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھیں کہ میں نے اپنا مال و دولت، اپنا آرام آسائش سب کچھ آپ کیلئے قربان کر دیا تھا اور یہ لوگ میرے قاتل ہیں۔ حضرت حمزہؓ کھڑے کہہ رہے تھے کہ ان میں ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے میری لاش کی بے حرمتی کی تھی اور میرے جگر اور کلیجہ کو باہر نکال کر پھینک دیا تھا۔ آپ کی بیٹی آپ کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ایک عورت پر ہاتھ اُٹھاتے ہوئے شرم نہ آئی اور ایسی حالت میں مجھ پر حملہ کیا جبکہ میں حاملہ تھی اور مجھے ایسا نقصان پہنچایا جس سے بعد میں میری وفات ہو گئی۔ پھر وہ سینکڑوں صحابہ جو آنحضرت ﷺ کو اپنے بچوں سے زیادہ عزیز تھے اور جن میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جب ان میں سے ایک کو مکہ میں کفار نے پکڑا اور قتل کرنے لگے تو کہا کہ کیا تم یہ پسند نہ کرو گے کہ اِس وقت تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوں اور

تم آرام سے اپنے بیوی بچوں میں بیٹھے ہو؟ تو اُس نے جواب دیا کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میں تو آرام سے گھر میں بیٹھا ہوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے ۹۔ ایسے عزیز صحابہ کے ناک پاؤں اور ہاتھ کاٹ کاٹ کر انہیں مارا گیا اور اُن کی روحیں اُس وقت آنحضرت ﷺ کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھیں کہ یہ لوگ ہمارے قاتل ہیں مگر باوجود ان سب جذبات کے آنحضرت ﷺ نے کہا تو یہ کہا کہ **لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ** ۱۰۔ جاؤ آج تم سے کوئی باز پُرس نہیں کی جائے گی۔

پس غور کرو کیا ان سے زیادہ تکالیف ہمیں دی جاتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بعض چیزیں جسمانی اذیت سے زیادہ ہوتی ہیں مگر یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی تھیں اور ان میں بھی صحابہ ہمارے شریک ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی ذات پر بھی ایسے حملے کئے جاتے تھے اور ایسی گالیاں دی جاتی تھیں جیسی آج دی جاتی ہیں۔ یہ ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ ہمارے دشمن گالیاں دینے میں زیادہ ہوشیار ہیں اور ان کی فطرت زیادہ گندی ہے اور کفارِ عرب کی شرافت سے یہ لوگ نا آشنا ہیں مگر یہ نہیں کہ اُس زمانہ میں گالیاں وغیرہ بالکل دی ہی نہیں جاتی تھیں۔ اس زمانہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے گھر کی مستورات کے متعلق ویسے ہی گندے اتہام لگائے جاتے تھے جیسے آج لگائے جاتے ہیں اور عرب کے شاعر شعروں میں ان کے ساتھ محبت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ پس یہ ممکن ہے کہ آج کل کے لوگ اس خباثت میں ان سے زیادہ ہوں مگر جسمانی تکالیف صحابہ کو ہم سے بہت زیادہ تھیں۔ اُس زمانہ میں ساری حکومت اسلام کے مخالف تھی مگر آج ساری نہیں۔ آج گورنمنٹ بحیثیت گورنمنٹ ہمارے مقابل پر نہیں بلکہ بعض حکام ہمارے خیرخواہ بھی ہیں اور بعض اپنے عہدہ سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہوئے آج وہی رحم نہ دکھائیں جو آنحضرت ﷺ نے دکھایا اور جسے قریب کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ظاہر فرمایا۔

میں چھوٹا تھا مگر مجھے مندرجہ ذیل واقعہ اچھی طرح یاد ہے اور اس لئے بھی وہ واقعہ اچھی طرح یاد ہے کہ اس کے متعلق مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت رؤیا کے ذریعہ خبر دی تھی۔ ایک دن ہم سکول سے واپس آئے تو احمدیوں کے چہروں پر ملال کے آثار تھے۔ گول کمرہ اور دفتر محاسب

کے درمیان جہاں مسجد کا دروازہ ہے ہم نے دیکھا کہ ہمارے بعض چچاؤں نے وہاں دیوار کھینچ دی ہے اس لئے ہم اندر سے ہو کر گھر پہنچے اور معلوم ہؤا کہ یہ دیوار اس لئے کھینچی گئی ہے کہ تا احمدی نماز کیلئے مسجد میں نہ آسکیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہاتھ مت اُٹھاؤ اور مقدمہ کرو۔ آخر مقدمہ کیا گیا جو خارج ہو گیا اور معلوم ہؤا کہ جب تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود نالش نہ کریں گے کامیابی نہ ہوگی۔ آپ کی عادت تھی کہ مقدمہ وغیرہ میں نہ پڑتے مگر یہ چونکہ جماعت کا معاملہ تھا اور دوستوں کو اس دیوار سے بہت تکلیف تھی اس لئے آپ نے فرمایا کہ اچھا میری طرف سے مقدمہ کیا جائے۔ چنانچہ مقدمہ ہؤا اور دیوار گرائی گئی۔ فیصلہ سے بہت پہلے میں نے رؤیا میں دیکھا تھا کہ میں کھڑا ہوں اور وہ دیوار توڑی جارہی ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل بھی پاس ہی کھڑے ہیں اور پھر ایسا ہی ہؤا۔ جس دن سرکاری آدمی اسے گرانے آئے عصر کے بعد میں مسجد والی سیڑھیوں سے اُترا عصر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل درس دیا کرتے تھے، سخت بارش آئی اور حضرت خلیفہ اوّل بھی شاید بارش کی وجہ سے یا یونہی وہاں آکر کھڑے ہوگئے۔ اس دیوار کی وجہ سے جماعت کو مہینوں یا شاید سالوں تکالیف اٹھانی پڑیں کیونکہ انہیں مسجد تک پہنچنا مشکل تھا۔ پھر مقدمہ پر ہزاروں روپیہ خرچ ہؤا اور عدالت نے فیصلہ کیا کہ خرچ کا کچھ حصہ ہمارے چچاؤں پر ڈالا جائے۔ کئی لوگ غصہ سے کہہ رہے تھے کہ یہ بہت کم ڈالا گیا ہے ان کو تباہ کر دینا چاہئے۔ جب اس ڈگری کے اجراء کا وقت آیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام گورداسپور میں تھے۔ آپ کو عشاء کے قریب رؤیا یا الہام کے ذریعہ بتایا گیا کہ یہ بار اُن پر بہت زیادہ ہے اور اِس کی وجہ سے وہ تکلیف میں ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ مجھے رات نیند نہیں آئے گی اِسی وقت آدمی بھیجا جائے جو جا کر کہہ دے کہ ہم نے یہ خرچ تمہیں معاف کر دیا ہے۔ مجھے اس معافی کی صورت پوری طرح یاد نہیں کہ آیا سب رقم معاف کر دی تھی یا بعض حصہ۔ بچپن کا واقعہ ہے اس لئے اس کی ساری تفاصیل یاد نہیں رہیں مگر اتنا یاد ہے کہ فرمایا مجھے رات نیند نہیں آئے گی اِسی وقت کسی کو بھیج دیا جائے جو جا کر کہہ دے کہ یہ رقم یا اس کا بعض حصہ جو بھی صورت تھی تم سے وصول نہ کیا جائے گا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سنّت بھی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ مؤمن کا رحم اتنا بڑھا ہؤا ہوتا ہے کہ دوسرا خیال بھی نہیں کر سکتا۔

مارٹن کلارک کی طرف سے آپ پر مقدمہ کیا گیا اور الزام سے بَری کرنے کے بعد مجسٹریٹ نے آپ سے کہا کہ آپ کو ان پادریوں پر جو اس مقدمہ کو اٹھانے والے ہیں مقدمہ چلانے کا حق ہے مگر آپ نے فرمایا یہ ہمارا طریق نہیں۔ کرنل ڈگلس جو اُس زمانہ میں کیپٹن تھے ابھی تک زندہ ہیں اور ولایت میں ہمارے دوستوں سے ملتے رہتے ہیں اور ہمیشہ اس بات کا ذکر کیا کرتے ہیں ہیں کہ جب میں نے مرزا صاحب سے کہا کہ آپ ان پادریوں پر مقدمہ چلا سکتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا طریق نہیں ہم نے ان کو معاف کر دیا۔ تو مؤمن کے ایک ہاتھ میں رحم اور دوسرے میں بہادری ہوتی ہے اور اُس کا سر قطب مینار کی طرح سب سے اونچا ہوتا ہے۔ جب دنیا دیکھنا چاہتی ہے کہ کون ہے بہادر۔ تو اُسے جواب ملتا ہے کہ مؤمن۔ اور جب وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ کون ہے رحیم تو اسے مؤمن کے سِوا کوئی نظر نہیں آتا۔ پس یہ دونوں خصلتیں اپنے اندر بڑھاؤ اور پھر جو مصائب آتی ہیں ان کو آنے دو کہ وہ تمہاری ہلاکت کا نہیں بلکہ ترقی کا موجب ہیں۔ اور جب خدا تعالیٰ تمہارے رحم کا امتحان لے تو یہ دیکھو کہ ایسے وقت میں محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا کِیا۔ اُس وقت دشمنوں کے ظلموں پر نظر نہ ڈالو۔ پھر یہ مت سمجھو کہ تمہاری آزادی اور زندگی سے ہی اسلام کی ترقی وابستہ ہے۔ ممکن ہے تمہاری قید یا موت زیادہ مفید ہو۔ اس بات کو خدا پر چھوڑ دو کہ وہ دیکھے کیا مفید اور مناسب ہے اور ایک بہادر اور جری انسان کی طرح ہر انجام سے بے پرواہ ہو کر (سوائے خدا کی ناراضگی کے انجام کے) اپنی جانوں اور مالوں کو خدا کے رستہ میں ڈال دو اور جب سب مصائب کو برداشت کرتے ہوئے خدا تعالیٰ تمہیں طاقت دے تو یاد رکھو کہ تم اس کی اُمت ہو جس نے مکہ والوں کو بھی معاف کر دیا تھا۔ مکہ والوں کے مظالم اور آنحضرت ﷺ کے رحم کی مثال کہیں اور نہ مل سکے گی اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ہر امر میں محمد رسول اللہ ﷺ ہی اسوۂ حسنہ ہیں۔ جرأت اور بہادری میں بھی اور عفو اور رحم میں بھی۔ پس محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو دیکھو پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھو کہ کن حالات میں آپ نے دنیا کا مقابلہ کیا۔

آج جبکہ خدا کے فضل سے ہمارا رعب ساری دنیا پر بیٹھ چکا ہے اور جب لاکھوں لوگ جماعت میں شامل ہیں اور تمام براعظموں میں احمدی موجود ہیں بعض لوگوں کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ

بعض باتوں اور فتووں میں ہمیں نرمی کر دینی چاہئے۔ پھر غور کرو اُس وقت کتنی دقّت ہوگی جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اُس وقت صرف چند آدمی آپ کے ساتھ تھے اور نبوت، کفر و اسلام، نمازوں اور شادیوں کی علیحدگی یہ مسائل پیش کرنے کیلئے کتنے بڑے دل گُردے کی ضرورت تھی۔ پس محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بروزِ کامل میں رحم اور بہادری کے دونوں نمونے موجود ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے صرف نقال بنایا ہے موجد نہیں۔ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہر چیز اور ہر دل پر محمد رسول اللہ ﷺ کی تصویر کھینچتے جائیں۔ پس بہادر بنو کہ مؤمن بُزدل نہیں ہوتا اور رحیم بنو کہ مؤمن ظالم نہیں ہوتا۔ دنیا کیلئے ان دونوں چیزوں کا جمع ہونا مشکل ہے مگر ہمارے لئے آسان ہے کیونکہ ہمارے لئے بنی بنائی تصویر موجود ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان چیزوں کا خمیر کر کے محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں بھر دیا ہے اور خمیر سے اور خمیر اُٹھا لینا کوئی مشکل نہیں۔ آگ جلانا مشکل ہوتا ہے مگر جب جل جائے تو اس سے ہر شخص اپنی شمع روشن کر سکتا ہے۔ نور پیدا کرنا خدا کا کام تھا جو اس نے کر دیا اب ہمارا کام صرف یہ ہے کہ آئیں اور اپنی شمعیں اس سے لگا لیں۔ پس اس طریق کو سمجھو کہ یہی فلاح کا طریق ہے اور خوب یاد رکھو کہ جو بُزدل ہے وہ خدا کے رستہ سے کاٹا جائے گا۔ جب تک تم ایسے بہادر نہ بن جاؤ کہ قید، قتل، جلاوطنی سب مظالم کو برداشت کرنے کیلئے آمادہ ہو جاؤ اُس وقت تک تم خدا کے محبوب نہیں بن سکتے اور جو خدا کا محبوب نہیں بنتا وہ شیطان کا محبوب ہوتا ہے۔

(الفضل ۲؍اگست ۱۹۳۶ء)

۱؎ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرة: ۲۱۵)

۲؎ ترمذی کتاب المناقب باب قوله ﷺ لو کان نبی بعدی لکان عمر

۳؎ التوبة: ۱۰۰

۴؎ بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب حدیث الفأر

۵؎ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب سعد بن ابی وقاص

۶؎ ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی دعاء المشرکین

ے انوارالاسلام صفحہ ۲۳، ۲۴، روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۲۳، ۲۴

۸ التوبة: ۴۳

۹ اسد الغابة جلد ۲ صفحہ ۲۳۰۔ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۵ھ

۱۰ السیرة الحلبیة جلد ۳ صفحہ ۸۹۔ مطبع محمد علی صبیح مصر ۱۹۳۵ء